Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اُردو ادب میں سیاسی و سماجی تاریخ

POLITICAL AND SOCIAL HISTORY IN URDU LITERATURE

مصباح کنول

پی ایچ۔ڈی اُردو اسکالر، منہاج یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر ناصر بلوچ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، منہاج یونیورسٹی، لاہور

Abstract

The twentieth century was marked by chaos and anarchy due to both world wars. Scientific progress had profound effects on civilization. The trend of describing the history of this period in Urdu literature, specially fiction and novels, developed rapidly. In the period of Mir Taqi Mir, from the destruction of Delhi to Ghalib's letters, there is a description of political and social history in different contexts. Before the creation of Pakistan, history has been a part of literature in every period from Maulvi Nazir Ahmad to Prem Chand. After the establishment of Pakistan, progressive writers reopened the connections of literature with history. Through Ismat Chugtai, Quratul Ain Haider and Ahsan Farooqi, this chain reaches Abdullah Hussain. Abdullah Hussain's popularity in urdu literature is due to political and social history in his novels and fiction. Through his writings, he tried to convince that political conditions effect the society and whole nation has to bear the result of weak political conditions.

Keywords: twentieth century, civilization, Ghalib's letters, progressive writers, fiction, society

اردو ادب کے آغاز کی ابتدا دراصل افسانوی ادب سے ہی ہوتی ہے اردو کی ابتدائی نثر میں افسانوی ادب کے لیے فکشن کی اصطلاح بھی مستعمل رہی ہے۔ جدید دور میں بھی افسانوی ادب اور فکشن دونوں اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں۔ چونکہ داستانوں کو اردو کے افسانوی ادب کی ابتدا تسلیم کیا گیا ہے اس لیے داستانوں اور قصوں کا تعلق براہ راست زندگی سے نہ ہونے کے باوجود بھی ان میں سماجی جھلکیاں، رسوم و رواج، طرزِ معاشرت، بود و باش اور عقائد کا بیان ملتا ہے۔ ڈی-ایچ-لارنس افسانوی ادب کے بارے میں بیان کرتا ہے:

> "فن (فکشن) کا فریضہ یہ ہے کہ انسان اور گرد و پیش میں پائی جانے والی کائنات کے درمیان جو ربط موجود ہے اس کا ایک زندہ لمحے میں اظہار کرے"۔(۱)

معاشرے اور سماج میں آئے روز نئے واقعات اور حادثات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ ادبی تخلیقات کے لیے، خام مواد انہی واقعات سے حاصل کیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے قوت متخیلہ کو تحریک ملتی ہے۔ کوئی واقعہ، حادثہ یا مستقبل کی سوچ انسان کے ذہن کو اس حد تک جکڑ لیتی ہے کہ وہ ادبی تخلیق کا باعث بن جاتی ہے۔ ادب میں بیان ہو جانے کے بعد ہر واقعہ تاریخ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور یہ تاریخ ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ تاریخ ہمیشہ حقیقت پر مبنی ہوتی ہے اور سچائی کو قاری تک پہنچاتی ہے۔

بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

> "تاریخ کے ہر دور اور ہر انسانی معاشرے میں زندگی کے خاص معنی ہوتے ہیں جس سے اس بلند ترین سطح کا تعین ہوتا ہے جس تک اس معاشرے کے لوگ پہنچتے ہیں۔" (۲)

تاریخ کے لیے انگریزی میں History کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جبکہ لاطینی میں یہ HISTORIA سے ماخوذ ہے جس کے معنی تلاش و جستجو، کھوج، اطلاع فراہم کرنا، تحقیق کرنا یا معلومات حاصل کرنا کے ہیں۔ اگر اس کے مادے پر غور کیا جائے تو اس کے معانی "عقل مند آدمی" یا "منصف" کے ہیں۔ ان معانی کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاریخ در اصل ایک منصف مزاج اور عقل مند آدمی کے قلم سے لکھے جانے والے واقعات کا نام ہے۔

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

مختلف اعتبار سے تاریخ کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

تاریخ کی چند اقسام درج ذیل ہیں:

۔تاریخِ عام: جس میں ساری دنیا کے آدمیوں کا حال بیان کیا جائے۔

۔تاریخِ خاص: جس میں کسی ایک قسم یا ایک ملک یا ایک خاندان کی سلطنت کا حال بیان کیا جائے۔

۔تاریخِ روایتی: جس میں راوی کا بیان اس کے مشاہدے کی بنا پر درج ہو۔

۔تاریخِ درایتی: جس کو آثار قدیمہ و منقولہ اور عقلی تخمینوں کے ذریعہ ترتیب دیا گیا ہو۔

قوموں کی نظر میں تاریخ کی بڑی اہمیت رہی ہے پھر چاہے وہ ادبی تاریخ ہو، سیاسی، معاشی یا مذہبی جس طرح یادداشت انسان کی سوچ، شخصیت، کردار، افکار اور نظریات پر اثر انداز ہوتی ہے اسی طرح قوم کی اجتماعی زندگی کے طرز ہائے عمل پر تاریخ کا گھمبیر اثر ہوتا ہے۔

مغلوں کی حکومت کے بعد انگریزوں نے ہندوستان میں قدم جمانے شروع کیے اور پھر یہ سفر یہاں تک ہی نہیں رکا بلکہ وہ سرزمین دو حصوں میں تقسیم ہوئی اور نیا وطن وجود میں آیا۔ پے در پے سیاسی و سماجی انقلابات نے ادب کو بھی متاثر کیا چنانچہ شاعروں اور ادیبوں نے قلم اٹھا کر یہ تاریخ اپنے کرداروں اور لفظوں میں پرو ڈالی۔ بدلتے ہوئے جذبات اردو ادب میں بھی خوب نظر آنے لگے۔ بہادر شاہ ظفر کی اس دور کی نظمیں اس زمانے کی تاریخ کو آنکھوں کے سامنے تازہ کر دیتی ہیں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"۱۸۵۷ء ہندوستان کی سیاسی و ثقافتی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ قدیم اور جدید کے درمیان یہی وہ منزل ہے جہاں سے ماضی کے نقوش پڑھے جاسکتے ہیں اور مستقبل کے امکانات کا بھی جائزہ لیا جاسکتا ہے"۔ (۳)

۱۸۵۷ء کے بعد اردو ادب میں ایک نئی فکر، نیا جوش، نئی تبدیلی اور ایک نئی تحریک کا آغاز ہونے لگا۔ چنانچہ اس انقلاب میں اردو ادب کو بہت فائدہ ہوا۔ نئے خیالات کی تعمیر و تشکیل ہوئی۔ ادب دربار سے باہر نکلا اور یوں وہ عوام کی زندگی میں شامل ہو گیا۔ یعنی ادب کا رشتہ سماج اور معاشرے کے ساتھ استوار ہو گیا۔

اردو ادب میں بیان کی گئی سیاسی و سماجی تاریخ بہت اہمیت کی حامل ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد نہ صرف نئی اصناف ادب کا حصہ بنی بلکہ بہت سی زبانیں بھی بالخصوص اردو نئے سانچوں میں ڈھلی۔ اردو ادب میں بہت سے ادیبوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے سیاسی و سماجی تاریخ کو بیان کیا ہے۔ چونکہ ہر دور کی تاریخ مختلف ہوتی ہے چنانچہ ہر دور کا ادیب بھی اس تاریخ کو اپنے مخصوص دور کے حوالے سے بیان کرتا ہے۔ ء کی جنگ آزادی، برصغیر پر انگریزی قبضہ، برصغیر کے عوام کی انگریزوں کے خلاف بغاوت، پہلی اور دوسری جنگ عظیم، تقسیمِ ہند، تقسیم کے نتیجے میں ہونے والی بڑے پیمانے پر ہجرت تاریخ کے وہ اہم واقعات ہیں، جو ادب کا مستقل موضوع رہے ہیں۔

اردو ادب کے ہر دور میں ایسے سیاسی و سماجی واقعات مرحلہ وار رونما ہوتے رہے ہیں۔ جو کسی ادیب یا عہد کی پہچان کا باعث بنے ہیں۔ میر تقی میرؔ کی شاعری میں دِلّی کے لیے دل کا استعارہ اکثر جگہوں پر استعمال ہوا ہے جو اس عہد کی سیاسی ابتری اور سماجی ہلچل کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ میرؔ کے عہد میں اس قدر افراتفری اور ہلچل تھی کہ شاہ، گدا، چور اچکے، مرہٹے سب اس کا شکار نظر آتے ہیں۔ احمد شاہ ابدالی اور نادر شاہ کے حملوں نے اس عہد میں موجود ادیبوں اور شاعروں کے ذہنوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی مکمل تاریخ ہمیں اس دور کے ادب میں مختلف حوالوں سے نظر آتی ہے۔ بادشاہوں کی آنکھوں میں پھرتی سلائیاں اور دلی کا قتلِ عام سیاسی و سماجی حالات کی سفاکی، بربریت اور ظلم کا منظر نامہ بن کر تاریخ کا حصہ بن گیا:

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

اُردو ادب کا جائزہ لیں تو سیاست اور سماج کے حوالے سے ہر دور میں مختلف تحریکات اور نظریات جنم لیتے رہے ہیں۔ جنہوں نے ادب پر انمٹ اثرات چھوڑے ہیں۔ علی گڑھ کی مقصدیت، ترقی پسند تحریک، کمیونزم اور سوشلزم کا فروغ، مارکسی نظریات کا فروغ اور رومانوی تحریک کے اثرات کو ادب نے مختلف ادوار میں فروغ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب انقلاب، اظہار اور آزادی رائے کی ایسی قوت اور طاقت کے طور پر نظر آتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے اور اقدار خصوصاً سیاست اور سماج کو متاثر کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

اردو ادب میں مرثیہ، مثنوی اور شہر آشوب کی اصناف میں مکمل سیاسی اور سماجی تاریخ نظر آتی ہے۔ مرثیہ میں محض واقعہ کربلا کا بیان ہی نہیں ملتا بلکہ اقتدار اور تخت کی ہوس میں حق اور باطل کے معرکوں کی بدولت سیاسی اور سماجی مسائل کو بھی ادب میں بیان کیا گیا ہے۔ شہر آشوب میں کسی شہر کی تباہی و بربادی کا نوحہ بیان کیا جاتا ہے یہ بربادی دراصل سیاسی حالات کی تباہی ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ قدیم ادب میں "مہابھارت" کے اندر بھی سیاسی اور سماجی واقعات موجود ہیں۔ دکنی دور کی مثنویوں میں بھی جنگ وجدل اور کربلائی واقعات کا بیان تاریخ کی صورت میں موجود ہے الغرض میرؔ و سوداؔ کا دور ہو یا نظیر اکبر آبادیؔ کا عہد، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہو یا جزیرہ سیلی کی دردناک کہانی کا بیان کرتے ہوئے اقبال کی نظم "صقلیہ" ہو، سبھی میں سیاسی و سماجی تاریخ اور اس کے ادب اور معاشرے پر اثرات نظر آتے ہیں:

> "مرزا محمد رفیع سوداؔ اور میر تقی میرؔ کے شہر آشوب جن میں عوام کی بے روزگاری، اقتصادی بدحالی اور دلی کی تباہی و بربادی کا ذکر ہے۔ اردو کے یادگار شہر آشوب ہیں۔ نظیر اکبر آبادیؔ نے اپنے شہر آشوبوں میں آگرے کی معاشی بدحالی، فوج کی حالتِ زار اور شرفاء کی ناقدری کے خوبصورت مرقعے پیش کیے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد دِلی پر جو قیامت ٹوٹی، اسے بھی دلی کے بیشتر شعراء نے اپنا موضوع بنایا ہے، جن میں مرزا غالبؔ، داغ دہلویؔ اور مولانا حالیؔ شامل ہیں"۔ (۴)

سیاسی و سماجی مقاصد کے حصول کے لیے محض اردو ادب میں مختلف نظریات اور تحریکات ہی نے جنم نہیں لیا بلکہ مختلف ادارے بھی قائم ہوئے جن میں فورٹ ولیم کالج قابل ذکر ہے۔ اگرچہ اس کالج کا قیام خالصتاً سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے کیا گیا لیکن اس کا ایک اہم مقصد سماجی حوالے سے لوگوں کے ساتھ تعلق قائم کرنا بھی تھا۔ اور اس تعلق کے لیے سب سے مضبوط ذریعہ زبان و ادب تھا۔ سیاسی مقاصد کے حصول اور انگریزوں کی حاکمانہ فطرت کی بدولت اردو کو ذریعہ بنا کر سیاست، سماج اور ادب کا تعلق قائم کر کے ہندوستان میں انگریزوں نے اپنے استعماری پنجے گاڑنے کا منصوبہ بنایا۔ سید وقار عظیم لکھتے ہیں:

> "فورٹ ولیم کالج کا قیام، انگریز حاکموں کی سیاسی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے عمل میں آیا تھا اور اس کے محرکات خالصتاً ادبی نوعیت کے نہیں تھے بلکہ ان میں انتظامی مصلحتوں اور سہولتوں کی غرض بھی شامل تھی۔" (۵)

اردو ادب میں "خطوطِ غالب" ۱۸۵۷ء کی سب سے مستند دستاویزی تاریخ ہے۔ ان خطوط کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ اگر اس دور کی تاریخ کہیں کھو بھی جائے تو ان خطوط کے مطالعے سے اس دور کی سیاسی و سماجی تاریخ کے تقریباً ہر پہلو کو نئے سرے سے ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ غالب کی یہ نثر جو خطوط کی صورت میں ہے اس عہد کا مکمل بیانیہ ہے۔ یہ خطوط، سیاسی، سماجی اور ذاتی حوالے سے اس قدر اہمیت کے حامل ہیں کہ اس کی سچائی میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ یہ تاریخ ایک مؤرخ کے قلم سے لکھی ہوئی نہیں ہے بلکہ اس عہد میں سانس لینے والے ایک حساس فرد کی اندرونی اور خارجی کیفیات کا احوال ہے۔ جس نے تاریخ کی صورت میں آنے والے ادوار تک اس دور کی تفصیلات پہنچائی ہیں۔ مرزا غالبؔ کے اس خط سے اس دور کے حالات کی عکاسی ہوتی ہے۔ جو انہوں نے ۱۸۵۸ء میں نواب حسین مرزا کے نام لکھا تھا:

> "حکیم احسن اللہ خاں کے مکانات شہر ان کو مل گئے اور یہ حکم ہے کہ شہر سے باہر نہ جاؤ۔ دروازے سے باہر نہ نکلو، اپنے گھر میں بیٹھے رہو۔ نواب حامد علی خاں کے مکانات سب ضبط ہو گئے۔ وہ قاضی کے حوض میں کرائے کے مکانات میں مع ممنوعہ کے رہتے ہیں۔ باہر جانے کا حکم ان کو بھی نہیں۔ میاں الٰہی بخش کو حکم کراچی بندر جانے کا ہے انہوں نے زمین پکڑی ہے۔ سلطان جی میں رہتے ہیں۔ عذر کر رہے ہیں۔ دیکھیے یہ جبر اٹھ جائے یا یہ خود اٹھ جائیں"۔ (۶)

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں بہت سی ارتقائی تبدیلیاں دیکھنے میں ملتی ہیں یہ وہ دور تھا جب حالات کے ساتھ ساتھ اردو ادب میں بھی بہت تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ سماج بدلا، حالات بدلے، سیاسی، سماجی اتار چڑھاؤ اور نشیب و فراز کا یہ سفر بہت سے حادثات و واقعات اپنے اندر سمیٹے گزر گیا۔ یہ سفر جو نذیر احمد، سر شارؔ، شررؔ اور مرزا رسواؔ کے ذریعے شروع ہوا اپنا ارتقائی سفر طے کرتا ہوا بیسویں صدی کے آغاز تک پہنچا۔ جنگ آزادی بھی لڑی گئی، انگریزی تہذیب کے خلاف عوامی رجحان بھی دیکھنے کو ملا، ہندوستانی تہذیب کا باہمی تصادم اور ہنگامہ خیز تبدیلیاں تاریخ کا وہ حصہ ہیں جنہیں اردو ادب سے تعلق رکھنے والے تقریباً ہر ادیب نے اپنے اپنے رنگ میں بیان کیا ہے۔ غرضیکہ اس دور میں مقصدیت کی طرف ادیبوں کا رجحان زیادہ ہوا۔ ادیبوں کا گروہ خالص سیاسی و سماجی پہلوؤں پر سوچنے اور انہیں ادب میں تاریخ کی صورت میں بیان کرنے پر مجبور ہوا۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

فورٹ ولیم کالج کے بعد غالبؔ ایک ایسے نثر نگار کے طور پر نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے خطوط کے ذریعے اپنے عہد کی سیاسی اور سماجی تاریخ کو حقیقت نگاری کے ساتھ ادب میں بیان کیا ہے۔ اگرچہ غالبؔ جس دور میں یہ خطوط لکھ رہے تھے ان کا مقصد ادبی نہیں تھا لیکن بعد میں یہ خطوط ۱۸۵۷ ء سے پہلے اور بعد کی مکمل تاریخ کا درجہ اختیار کر گئے جن کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ یہ اپنے عہد اور دور کے مکمل عکاس ہیں۔ ۱۸۵۷ ء کے بعد سیاسی اور سماجی حوالے سے برصغیر میں جو ہلچل پیدا ہوئی یہ خطوط اس کا جیتا جاگتا اور سچا ثبوت ہیں۔ افراد اور اخلاقی اقدار کی شکست وریخت، غمِ دوراں کا بیان، کرب، قید تنہائی، معاشی مشکلات، غرضیکہ زندگی کے ہر پہلو کی عکاسی ان خطوط میں موجود ہے۔ اس دور میں دلّی میں آئے روز نیا حکم نامہ جاری رکھا جاتا تھا۔ نئے قوانین بنائے جاتے تھے جو زیادہ تر مسلمانوں کے خلاف ہوتے تھے۔ غالب نے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کی کیفیات کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غالب کے یہ خطوط ۱۸۵۷ ء کے بعد کی سیاسی و سماجی تاریخ کی ایک مکمل دستاویز کے طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ یہ خطوط اپنے سیاسی اور سماجی پہلوؤں کی بجائے ادبی حوالے سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ ان میں غالبؔ نے اپنے منفرد اسلوب کی بدولت ایک بے تکلفانہ اندازِ بیان کے ذریعے تاریخ کو بیان کیا ہے۔ یہ خطوط بیک وقت ادبی، سیاسی اور سماجی تاریخ کے فن پارے کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

> "غالب نے اپنے احباب کے نام کئی خطوں میں دہلی کی بربادی اور پھر اس کی بتدریج آبادی کے سلسلے میں متعدد واقعات بیان کیے ہیں۔ یہ بیانات اس دور کی اجتماعی زندگی کا مطالعہ کرنے اور جائزہ لینے کے سلسلے میں بہت اہم ہیں۔ واقعات کے بیان کے ضمن میں بعض جگہ وہ اہم سیاسی اور معاشی مسائل کے بارے میں اپنے تاثرات بھی پیش کر جاتے ہیں۔ ان تاثرات کی روشنی میں ہم اس نازک دور کی ذہنی کیفیات کی ایک جھلک دیکھ سکتے ہیں"۔ (۷)

یہ وہ دور ہے جب سرسید نے قوم کو سائنس کی واقفیت فراہم کرنے کا درس دیا اور مضمون نگاری کی بنیاد ڈالی۔ آزادؔ کی نظمیں بدلتے ہوئے حالات سے بھری پڑی ہیں۔ ان نظموں سے یہ بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ یہ انگریزی طرز کی نظمیں ہیں اور کس طرح اپنوں نے اس وقت کے بدلتے ہوئے حالات کو اپنے اندر جذب کیا ہے۔ یہی وہ دور تھا جب اردو ادب میں ہمیں تنقیدی اور تمثیلی مضامین نظر آئے گو ان کا بیج بھی تبھی بو یا گیا۔ حالیؔ نے سوانح نگاری کی بنیاد ڈالی۔ یہ وہ دور تھا جب نہ صرف ہندوستان کے حالات بدل رہے تھے بلکہ ساتھ ہی ساتھ اردو ادب کی بھی نئی شکلیں تشکیل پا رہی تھیں۔ یوں اردو ادب میں ایک نئی تاریخ کا آغاز ہوا اور اردو ادب داستان گوئی کی خیالی اور فرضی دنیا سے نکل کر حقیقی دنیا میں آ کھڑا ہوا۔ جس میں بلاشبہ سب سے بڑا کردار اس وقت سماج کے بدلتے ہوئے حالات تھے جہاں سیاست میں بھی بڑی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں اور یہی وجہ ہے کہ اس دور کو بیان کرنے کے لیے اردو ادب میں سیاسی و سماجی تاریخ کی ضرورت و اہمیت ہمیشہ محسوس کی جاتی رہی ہے۔

اردو ادب میں بہت سے ادیبوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے سیاسی و سماجی تاریخ کو بیان کیا ہے۔ چونکہ ہر دور کی تاریخ مختلف ہوتی ہے چنانچہ ہر دور کا ادیب بھی اس تاریخ کو اپنے مخصوص دور کے حوالے سے بیان کرتا ہے۔ ۱۸۵۷ ء کی جنگ آزادی، برصغیر پر انگریزی قبضہ، برصغیر کے عوام کی انگریزوں کے خلاف بغاوت، پہلی اور دوسری جنگ عظیم، تقسیمِ ہند، تقسیم کے نتیجے میں ہونے والی بڑے پیمانے پر ہجرت تاریخ کے وہ اہم واقعات ہیں، جو ادب کا مستقل موضوع رہے ہیں۔

اردو میں ناول نگاری کی باقاعدہ ابتدا ڈپٹی نذیر احمد سے ہوئی۔ جنہوں نے پہلا ناول "مراۃ العروس" لکھا جو ایک اصلاحی ناول ہے۔ اس ناول میں بیان کردہ واقعات سماجی تاریخ کا اہم بیانیہ ہیں۔ سیاسی و سماجی تاریخ کے حوالے سے مولوی نذیر احمد کا سب سے اہم ناول "ابن الوقت" ہے۔ اس ناول میں انہوں نے انگریزی معاشرت کی اندھا دھند تقلید کی بڑی سختی سے مذمت کی ہے۔ اس ناول کے پلاٹ میں تاریخی واقعات اور عصری حالات بھی شامل ہیں۔ اقتباس دیکھیے:

> "سینکڑوں برس سے ہندوؤں کے پاس لٹریچر ہے اور نہ علم ان کو انگریزی کا اختیار کر لینا کیا مشکل تھا۔ جیسے ایک برہنہ آدمی ایک لنگوٹی کی بھی قدر کرتا ہے۔ لیکن مسلمان اپنی کلاسیکل لینگوئج عربی ہر واجب فخر کرتے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔ لاکھوں مسلمان قرآن کی بلاغت پر سر دھنتے ہیں۔ اس کو زبانی یاد رکھتے ہیں۔ مسلمان کا لٹریچر زندہ لٹریچر ہے۔ نہ سنسکرت اور لیٹن کی طرح کتابوں میں مدفون۔ ان کے علم زمانے کے انقلاب کی وجہ سے مرجھا گئے ہیں مگر مرے نہیں۔" (۸)

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے ناول "ایامیٰ" کے ذریعے دکھایا ہے کہ مغربی تہذیب کس طرح مشرق میں داخل ہو رہی ہے اور لوگوں کو متاثر کرتے ہوئے ان کے خیالات بدل رہی ہے۔ رتن ناتھ سرشارؔ جس دور میں ناول نگاری کر رہے تھے اس وقت نئی تہذیب کی آمد آمد ہو رہی تھی سماج بدل رہا تھا۔ ان کے ناولوں میں دونوں طبقوں کے لوگوں کی عکاسی ہوتی ہے۔ اعلیٰ اور ادنیٰ۔ لکھنؤ کی تہذیب اور تاریخ کا بیان ان کے ناولوں میں موجود ہے۔ ان کی کہانیوں میں جدت پسندی بھی نظر آتی ہے کیونکہ یہ وہ دور تھا جب انگریز ہندوستان میں اپنے پاؤں آہستہ آہستہ جما رہے تھے۔ ان کی کہانیوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت لوگ خوشحال تھے۔ سرشارؔ کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں عورتوں کی تعلیم کی ضرورت بھی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔

سرشارؔ کے بعد اہم ناول نگار عبدالحلیم شررؔ ہیں۔ ویسے تو عبدالحلیم شررؔ مضمون نگار تھے لیکن جب ناول کی طرف آئے تو دلچسپ معاشرتی ناول لکھ ڈالے۔ ۸۸۸ء میں انہوں نے ناول نگاری کا آغاز کیا لیکن پھر جلد ہی تاریخ کی طرف مڑ گئے۔

شرر مذہبی ضرور تھے مگر روشن خیال تھے۔ انہوں نے اپنے زمانے کی تاریخ بیان کرتے ہوئے جہالت، توہم پرستی، پرانے خیالات، بے جا پردے اور رسومات کی شدید مذمت کی ہے۔ مرزا ہادی رسواؔ سرسیّد کی روشن خیالی اور سیاسی نقطہ نظر سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اپنے بیشتر ناولوں میں انہوں نے معاشرتی حوالے سے عورت کی نفسیات اور اس دور کے سیاسی حالات کی تاریخ بیان کی ہے۔ رسواؔ نے خود اپنے ناولوں کے بارے میں بتایا ہے:

"ہمارے ناولوں کو موجودہ زمانے کی تاریخ سمجھنا چاہیئے۔"(۹)

ڈاکٹر احسن فاروقی کی وجہِ شہرت ادب میں نقاد کے حوالے سے ہے لیکن ناول نگاری میں سیاسی و سماجی تاریخ کے بیان میں انکا ناول "شامِ اودھ" نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔ اس ناول میں انہوں نے اودھ کی ختم ہوتی ہوئی تہذیب کا نقشہ بڑے احسن انداز میں کھینچا ہے نیز یہ ناول نوابی عہد کا خاتمہ بھی کرتا ہے۔ ناول کے اس اقتباس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ سیاسی و سماجی تاریخ کو کرداروں کے ذریعے بخوبی بیان کیا گیا ہے۔

"نواب صاحب ایک ہی فرد نہ تھے بلکہ ایک سوشل انسٹیٹیوشن تھے جو عرصہ سے کمزور ہوتے آج بالکل ختم ہو گئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ سب ایک فرد کو نہیں، ایک تہذیب، ایک طرزِ عمل، ایک معاشرت کو رونے آئے ہیں"۔(۱۰)

اسی دور میں پریم چند کا نام ایک ایسے ادیب کے طور پر نظر آتا ہے جس نے اردو ادب میں ناول اور افسانے کو روایتی شکل سے نکال کر ایک نئی صورت و کیفیت اور حیثیت عطا کی۔ انہوں نے بھوک، استحصال اور سماجی جبر کو ادب کا حصہ بناتے ہوئے یہ باور کروایا ہے کہ کس طرح یہ منفی حالات انسان سے اس کے بنیادی اوصاف چھین لیتا ہے۔ ان کے اسی سماجی شعور کے تجربہ کے بارے میں احتشام حسین لکھتے ہیں:

"یقیناً اُن کا یہ طبقاتی شعور، تاریخ کا مادی شعور رکھنے والے تاریخ داں کا شعور نہیں ہے جو طبقوں کی کشمکش کے اساسی اصولوں کو سمجھتا ہے بلکہ اس انسان دوست فنکار کا تصور ہے جس کا مشاہدہ تیز اور جس کا شعور انصاف پسند ہے۔(۱۱)

پریم چند اپنے عہد کے سچے آئینہ دار ہیں۔ پھر چاہے وہ تاریخی، سماجی یا سیاسی کسی بھی پہلو سے کیوں نہ ہو۔ پریم چند کا سیاسی اور سماجی تاریخ کے حوالے سے ایک اہم ناول "میدانِ عمل" ہے۔ وہ اپنے عہد کے سچے آئینہ دار ہیں پھر چاہے وہ تاریخی، سماجی یا سیاسی کسی بھی پہلو سے کیوں نہ ہو۔ "میدانِ عمل" سیاسی حوالے سے ہندوستان کی تاریخ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

اردو ادب میں سیاسی و سماجی تاریخ کے بیان میں سیاسی و سماجی تحریکوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز کی بات کی جائے تو یہ بہت ہی اہمیت کا حامل زمانہ ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب انقلابِ روس اور انقلابِ فرانس نے ساری دنیا میں بیداری کی ایک ایسی لہر پھونک دی تھی کہ ہندوستان بھی اس کی لپیٹ سے بچ نہ سکا۔ مارکس کے خیالات سے لوگ بہت زیادہ متاثر ہو رہے تھے۔ اس دور کا اردو ادب انسانی جدوجہد کو اجاگر کرنے والا، احساس سے بھرپور اور صداقت کی مثال ہے۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد محنت کش طبقوں اور عورتوں کو آزادی ملی۔ پرانی قدروں کے ساتھ نئی قدروں کا نزول بخوبی نظر آنے لگا۔ سوشلزم اور کمیونزم کو فروغ ملا نیز ادیبوں نے بھی ان تمام تبدیلیوں کو اپنایا اور اپنی تحریروں میں ان موضوعات کو تاریخ کی صورت میں ڈھال کر بیان کیا۔

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کرشن چندر نے اپنے ناولوں کے ذریعے فسادات کے خلاف آواز بلند کی اور ہندو مسلم تفریق کے نظریے کی سخت مخالفت کی ہے۔ وہ عوام کو فرقہ ورانہ ہم آہنگی کا درس دیتے ہیں۔ سیاسی نظریے میں وہ یہ نہیں چاہتے کہ گورے کی جگہ کالے حکمرانی کریں۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ سب کو روٹی ملے اور ساتھ میں مکمل آزادی بھی حاصل ہو۔ وہ چاہتے ہیں کہ عورتوں کو بھی مردوں کے برابر مرتبہ اور آزادی ملے گویا انہوں نے اپنے کرداروں کے ذریعے عوام کے ذہنوں کو جھنجھوڑا ہے۔ وہ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کی شدید مخالفت کرتے ہیں۔ کرشن چندر کے ہاں سیاسی و سماجی تاریخ کے بیان کے حوالے سے عزیز احمد کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"مصنف کی شخصیت اس کی رومانیت، اس کے بنتے ہوئے سیاسی عقیدے، اس کی بے باکی، بے تعصبی، اور اس کے ذہنی اور نفسی انقلابات کی ترجمانی کرتا ہے"۔(۱۲)

سیاسی و سماجی تاریخ کے بیان کے حوالے سے عزیز احمد کا ناول "گریز" بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس ناول میں مصنف نے قاری کو کرداروں کے ذریعے یورپ کی سیر کروائی ہے۔ نیز ۱۹۳۶ء سے لے کر ۱۹۴۲ء تک کا زمانہ دکھایا ہے۔ "گریز" دراصل دو عظیم جنگوں کے زمانے کی پُر آشوب تاریخ ہے۔ اس میں کرداروں کے ذریعے پوری دنیا کا منظر نامہ بیان کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ ناول اپنے دور کی روشن تصویر بن جاتا ہے۔ علی عباس حسینی اس ناول میں موجود تاریخ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اس ناول نے پہلی دفعہ ہماری زبان میں یورپ کو اس کے سیاسی اور اقتصادی اور جنسی انداز کو ہندوستانی نقطہ نظر سے پیش کیا ہے"۔(۱۳)

عصمت چغتائی اپنی بے باک شخصیت نیز تحریکِ نسواں کی وجہ سے بے حد مشہور ہوئیں۔ انہوں نے اپنے دور کے مسائل کو جن کا تعلق خصوصاً خواتین سے تھا۔ اپنی تحریروں میں اجاگر کیا۔ اس کے علاوہ نسوانی جنسیت، طبقاتی استحصال، متوسط طبقے کی اخلاقیات اور نئے ہندوستان کے بہت سے مسائل کو انہوں اپنے ادب میں بیان کیا۔ وہ خواتین کے حقوق پر آواز اٹھانے والی پہلی مصنفہ تھیں۔ ان کی تحریریں اکثر ناگوار بھی سمجھی گئیں۔ کئی بار ان پہ پابندیاں بھی عائد کی گئیں صرف اس لیے کہ وہ سیاسی اصلاح اور تحریکِ نسواں کی حامی تھیں۔ ان کا ناولٹ "ضدی" نفسیاتی ردِ عمل کے متعلق ہے۔ ڈاکٹر مسیح الزماں نے اس بارے میں لکھا ہے:

"عصمت نے اس ناول میں سماجی روایات میں بندھے کہنہ قوانین کا بھرپور مضحکہ اڑایا ہے"۔(۱۴)

اردو ادب میں سیاسی و سماجی تاریخ کے بیان میں ایک اہم نام "قرۃ العین حیدر" کا ہے۔ ان کو مغرب پرست ہندوستانیوں کی تاریخ اور تصویر پیش کرنے میں بہت مہارت تھی۔ ان کے ناولوں کا کینوس خاصا بڑا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں پہلی بار تاریخ، تہذیب، سیاست اور اقدار کو فلسفیانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کے ناولوں کے ذریعے ہندوستان کی پوری تہذیب اپنی مکمل تاریخ کے ساتھ ابھر کر سامنے آتی ہے۔ انہوں نے اپنے دور کی زندگی اور حالات کی بڑی گہری تصویر کھینچی ہے۔ قرۃ العین حیدر اپنے ادب کے ذریعے ادیب کو سماجی ذمہ داریوں کا احساس دلاتی ہیں۔ ان کے سبھی ناولوں میں تقسیم ہند کا درد صاف نظر آتا ہے۔ جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ انہوں نے تقسیمِ ہند اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ قرۃ العین حیدر نے متعدد ناول لکھے۔ جن میں سے "آگ کا دریا" اور "آخر شب کے ہم سفر" کو اردو کا شاہکار مانا جاتا ہے۔ "میرے بھی صنم خانے" ان کا پہلا ناول تھا جس میں انہوں نے ہندوستان کی تقسیم کے بعد ملک میں پیدا ہونے والے حالات بیان کیے ہیں۔ اس ناول کا آغاز دوسری جنگ عظیم سے ہو کر اختتام تقسیمِ ہند پر ہوتا ہے۔ یعنی یہ ناول ۱۹۳٤ء سے ۱۹٤۷ء تک کی سیاسی و سماجی تاریخ کا بیانیہ ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد ادب میں سب سے غالب رجحان سیاسی و سماجی حالات و واقعات کا بیان تھا۔ ان حالات نے صرف غالب ہی کو ہی نہیں بلکہ ہر فرد کو متاثر کیا تھا۔ اس تبدیلی کی بدولت تہذیبی اور سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ انگریزوں نے اپنی مرضی کے قوانین بنائے اور زبردستی ان پر عملدرآمد کروانے کے لیے سخت رویہ اختیار کیا۔ سرسید کی علی گڑھ تحریک کا مقصد محض تعلیمی نہیں بلکہ سیاسی بھی تھا۔ تعلیمی اور اصلاحی مقاصد کے پس منظر سیاسی مقاصد بھی موجود تھے۔ سر سیّد کا رسالہ "اسباب بغاوتِ ہند" اور ان کے اکثر مضامین مثلاً "اپنی مدد آپ" میں سیاست، ادب اور اصلاح کی مثلث نظر آتی ہے۔

سرسید نے اس تثلیث کے ذریعے برصغیر کے عوام کی فلاح اور اصلاح کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب غدر کے حقیقی واقعات کی چشم دید تاریخ بن گیا۔ فرانسیسی مفکر ژاں پال سارتر نے ادب، سماج اور زندگی کے باہمی تعلق کے حوالے سے لکھا ہے:

"سیاسی عمل کو ایک ایسی دنیا کی تعمیر کرنی چاہیئے جس میں ادب آزادی کے ساتھ آزادی کی فضا میں اظہار کر سکے۔ ادب آزادی کے اظہار کی ایک حقیقی صورت ہے۔"(۱۵)

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

سماج وسیاست اور زندگی ادب کا ایک اہم موضوع رہی ہے۔اردو ادب میں بلاشبہ بہت سے ایسے مصنفین موجود ہیں جن کے ناولوں میں ہمیں سیاسی و سماجی تاریخ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ان میں پریم چند، کرشن چندر، جمیلہ ہاشمی، قرۃ العین حیدر وغیرہ کے نام شامل ہیں۔اردو ادب میں سیاسی و سماجی تاریخ کے بیان کے حوالے سے جو نام سب سے قابل ذکر ہے وہ عبداللہ حسین کا ہے۔جن کے افسانوی ادب میں تاریخ اپنے پورے واقعات وحقائق کے ساتھ موجود ہے۔عبداللہ حسین کے پہلے ناول "اداس نسلیں" کو آدم جی ادبی ایوارڈ سے نوازا گیا۔اس ناول کی اشاعت ۱۹۶۳ء میں ہوئی جسے "آگ کا دریا" کے بعد دوسرا بہترین ناول سمجھا جاتا ہے۔

عبداللہ حسین کی تاریخ سے دلچسپی ان کی تحریروں اور کہانیوں سے نمایاں نظر آتی ہے۔یہ تاریخ ہی ہے جو انسان کو گزشتہ دنوں کے اوراق کی ورق گردانی کی طرف مائل کرتی ہے۔یوں ان تخلیقات کے ذریعے تاریخ کی گتھیاں سلجھانے میں مدد ملتی ہے۔تہذیب اور اقتدار نسل در نسل منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔

عبداللہ حسین نے زبان پر زور دینے کی بجائے اپنے کرداروں کی نفسیات پر زور دیا ہے۔کہانیوں میں تاریخ کو زندہ جاوید کر دینا یقیناً ایک دلچسپ عمل ہے۔جو تاریخ عبداللہ حسین نے بیان کی ہے اس کے گرد احساسات کی دیواریں کھڑی ہوئی ہیں۔ان کے افسانوی ادب نے تاریخ کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر نے آپ کی تحریروں کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اس سے اثر بھی قبول کیا۔

عبداللہ حسین کو اردو ادب میں جو مقبولیت ملی اس کی بڑی وجہ ناولوں اور افسانوں میں سیاسی و سماجی تاریخ کی تصویر کشی ہے۔ان کے افسانوی ادب کے ذریعے ہمیں تقسیم کے بعد کے سیاسی و سماجی حالات کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔"اداس نسلیں"، "باگھ"، "قید"، "نادار لوگ"، "نشیب" اور "رات" میں سیاسی و سماجی تاریخ اور حالات و واقعات کو اس قدر خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ پورے سماج کی جیتی جاگتی تصویریں نظروں کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ان کے ناولوں اور افسانوں کو پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ہاں حقیقت نگاری کے ساتھ تاریخ کو بیان کیا گیا ہے۔عبداللہ حسین نے خود ایک انٹرویو میں اپنے تخلیق کردہ ادب سے متعلق بیان کیا:

> "دراصل میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ ادیب کو ہر اس پہلو کی نشاندہی کر دینی چاہیئے اور ہر اس ادارے کو تنقید کا نشانہ بنانا چاہیئے جو کرپٹ ہو۔جو لکھنے والا کرپشن اور ناانصافی کے خلاف بر سر پیکار نہ ہو، اسے ادیب نہیں کہنا چاہیئے اگر پاکستان کے حالات کا جائزہ لیں تو کوئی شعبہ یا ادارہ ایسا نہیں ہے جہاں کرپشن نہ ہو۔اس افراتفری کی وجہ سے سب سے زیادہ غریب اور مفلوک الحال لوگ متاثر ہو رہے ہیں"۔(۱۶)

قیام پاکستان سے قبل اور بعد کے حالات کی حقیقی عکاسی ہمیں عبداللہ حسین کے ادب میں ملتی ہے۔یہ تاریخ ایک مصنف کے قلم سے لکھی گئی ہے جس نے ایک عام فرد کی حیثیت سے حالات وواقعات کا نہ صرف مشاہدہ کیا ہے بلکہ ان کے سماج پر اثرات کو بھی محسوس کیا ہے۔آزادی کے بعد کے حالات آغاز ہی سے بہت خراب تھے۔بہت سے مسائل سامنے آنے لگے تھے۔جن میں مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ، اثاثہ جات کی تقسیم کا مسئلہ، اقتصادی اور انتظامی مسائل سبھی شامل تھے۔سیاسی حوالے سے وہ دور افراتفری کا تھا اور ملک کے پہلے وزیر اعظم کا قتل ملک کے لئے ایک بہت بڑا دھچکا تھا۔پھر مارشل لاء جمہوری اداروں کی تباہ کاری ثابت ہوا جس کا اثر سماجی سطح پر بھی ہوا۔سماج میں بہت سے جرائم پروان چڑھنے لگے نیز منفی سرگرمیاں بھی بڑھنے لگیں۔عبداللہ حسین کے افسانوی ادب کے ذریعے پاکستان کی سماجی و سیاسی تاریخ سمجھنے میں آسانی ہوئی ہے۔اس کے علاوہ کسی ملک کے سیاسی حالات خراب ہونے کے باعث عوام اور سماج کو اس کے جو نتائج بھگتنے پڑتے ہیں اس سے بھی بخوبی آگاہی ملتی ہے۔

کہانی پڑھتے پڑھتے کسی تہذیب اور عہد کو سمجھنا بڑا ہی دلچسپ کام ہے۔منشی پریم چند اور ڈپٹی نذیر احمد سے لے کر عبداللہ حسین تک ناول کی کامیابی کا بڑا راز انہی موضوعات خصوصاً سیاسی و سماجی تاریخ کے پس منظر میں چھپا ہوا ہے۔غرض یہ کہ تاریخ جیسے جیسے ہندوستان سے آگے بڑھی، اس میں جو جو تبدیلیاں رونما ہوئیں وہ ناول نگاروں نے اپنے عہد کے لحاظ سے بڑے احسن رنگ میں قلم بند کی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے لکھنے والوں نے تاریخ کے ذریعے اپنے اپنے دور کی سیاست اور سماج کے تعلق کو بیان کیا ہے۔ایک مؤرخ کے پیشِ نظر ذاتی اور مالی فوائد کا حصول ہو سکتا ہے مگر ایک مصنف یا ادیب ہر قسم کے فائدے سے مبرّا ہو کر بغیر کسی بیرونی دباؤ کے حقیقی تاریخ بیان کرتا ہے۔جو ہر زمانے اور دور میں مستند حیثیت رکھتی ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

حوالہ جات

۱۔ لارنس، ڈی ایچ بحوالہ ناصر عباس نیئر، ڈاکٹر، (۲۰۰۹ء)، لسانیات و تنقید، اسلام آباد، پورب اکیڈمی، ص: ۲۲۱

۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، (۱۹۷۷ء) ارسطو سے ایلیٹ تک، دہلی جامع مسجد، جے کے آفسٹ پریس، ص: ۸۲

۳۔ نظامی، خلیل احمد، (۱۹۷۱ء)، 1857ء کا تاریخی روزنامچہ، ندوۃ المصنفین، دہلی، ص: ۳۔

۴۔ خان، علی محمد، اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر، (۲۰۱۴ء)، اصنافِ نظم و نثر، الفیصل، لاہور، ص: ۹۱۔

۵۔ وقار عظیم، سید، (۱۹۸۶ء)، فورٹ ولیم کالج - تحریک اور تاریخ، یونیورسل بکس، لاہور، ص: ۱۹۔

۶۔ مہر، غلام رسول، (۱۹۶۷ء) 1967، خطوطِ غالب، پاکستان ٹائمز پریس، لاہور، ص: ۹۷

۷۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، (۲۰۰۳ء)، محاسنِ خطوطِ غالب، بزمِ اقبال، لاہور، ص: ۷۷۔

۸۔ نذیر احمد، ڈپٹی، (۱۸۸۸ء)، ابن ابوقت، منشی نول کشور، لکھنؤ، ص: ۲۲۳۔

۹۔ رسوا، مرزا ہادی، (۱۹۲۱ء)، ذاتِ شریف، اشرفی بک ڈپو، لکھنؤ، ص: ۸۹۔

۱۰۔ فاروقی، احسن، (۱۹۲۴ء)، شامِ اودھ، سرفراز پریس، لکھنؤ، ص: ۴۲۱۔

۱۱۔ حسین، احتشام، (۱۹۵۶ء)، تنقید اور عمل تنقید، آزاد کتاب گھر، کلاں محل، دہلی، ص: ۱۷۳۔

۱۲۔ احمد، عزیز، (۱۹۴۵ء)، ترقی پسند ادب، چمن بک ڈپو، حیدر آباد، ص: ۲۵۲۔

۱۳۔ حسینی، علی عباس، (۱۹۴۷ء)، اُردو ناول کی تاریخ و تنقید، ایجوکیشن بک ہاؤس، علی گڑھ، ص: ۴۳۴۔

۱۴۔ مسیح الزماں، ڈاکٹر، (۱۹۶۸ء)، معیار و میزان، رام نرائن لال بنی مادھو، الٰہ آباد، ص: ۱۸۶۔

۱۵۔ پال سارتر، ژاں، (۱۹۹۱ء)، بحوالہ معاصر ادب، از ڈاکٹر جمیل جالبی، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ص: ۳۲۔

۱۶۔ عارف، فیضان، (۱۹۹۲ء)، مضمون: عبداللہ حسین سے گفتگو، مشمولہ، جنگ، روزنامہ 2 ستمبر